ثروت خاں

نظام الملک طوسی

سلجوقی دور کی تاریخ وزیراعظم نظام الملک طوسی کے تذکرے کے بغیر ہمیشہ نامکمل رہے گی۔ اگر سلجوقیوں کی ملک گیری حکمرانوں کی اپنی صلاحیت اور دست و بازو کا نتیجہ تھی تو ان کی سلطنت کا استحکام اور حسن انتظام نظام الملک کا رہین منت تھا۔ نظام الملک نے الپ ارسلان اور ملک شاہ دونوں کے عہد میں وزارت عظمیٰ کے فرائض انجام دیے اور اپنے عہد کی سب سے بڑی سلطنت میں وزیراعظم کی حیثیت سے ۲۹ سال سات ماہ حکومت کی۔ اگر یہ دور سلجوقی تاریخ کا عہد زریں ہے تو اس کا فخر الپ ارسلان اور ملک شاہ سے زیادہ نظام الملک کو حاصل ہے۔ تاریخ عالم میں شاید کسی بھی وزیر نے اتنی وسیع سلطنت پر اتنے طویل[1] عرصہ تک حکومت نہیں کی۔ اسی طرح تاریخ اسلام میں یحییٰ برمکی کے بعد کسی وزیر نے وہ شہرت اور عظمت حاصل نہیں کی جو نظام الملک کو آج تک حاصل ہے۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ نظام الملک اپنے کارناموں اور عظمت میں برامکہ سے بھی بازی لے گیا۔ اگر الپ ارسلان اور ملک شاہ آئینی حکمراں ہوتے تو یقیناً ان کا عہد نظام الملک کے نام سے یاد کیا جاتا۔

نظام الملک نواح نیشاپور میں طوس کی مردم خیز سرزمین میں ۴۰۸ھ میں پیدا ہوا تھا۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور نوجوانی ہی میں تمام علوم دینی اور دنیوی میں کمال پیدا کر لیا۔ فارسی اور عربی انشاپردازی پر نظام الملک کو مکمل عبور حاصل تھا۔ اور اس کی یہی صلاحیت سلجوقی دربار تک رسائی کا باعث ہوئی۔ علم و فضل کی وجہ سے اس کا شمار علمائے وقت میں کیا جاتا تھا۔ طغرل کے زمانے میں

---

(۱) برامکہ نے ۷۸۶ء سے ۸۰۳ء تک کل سترہ سال وزارت کی۔ ایل خانی وزیراعظم رشید الدین نے ۱۲۹۵ء سے ۱۳۱۸ء تک ۲۲ سال وزارت کی۔ محمود گاواں نے ۱۴۶۵ء تا ۱۴۸۱ء صرف سولہ سال اور شاہجہاں کے وزیر سعد اللہ خاں نے ۱۶۴۳ء تا ۱۶۵۶ء بارہ سال وزارت کی۔ سلطنت عثمانیہ کے وزیر احمد کوپریلی نے ۱۶۶۱ء سے ۱۶۷۶ء تک پندرہ سال وزارت کی اور اس کے ہمعصر فرانس کے دو وزیروں رشیلو (۱۶۲۴ تا ۱۶۴۲) اور مازارین (۱۶۴۲ء تا ۱۶۶۱ء) نے بالترتیب اٹھارہ اور انیس سال وزارت کی۔

پر پھر قابض ہو گئے تھے۔ اور جب انڈونیشیا کی آزادی اور جمہوریہ کے قیام کا اعلان کیا گیا تو صرف جزائر جاوا، ساترہ اور مادورا جمہوریہ میں شامل تھے۔ جنگ آزادی کے دوران میں ان جزیروں کا بڑا حصہ بھی ولندیزیوں کے قبضہ میں آگیا تھا۔ لیکن ۱۹۴۹ء کے آخر میں جب ہالینڈ نے انڈونیشیا کی آزادی تسلیم کر لی تو یہ جزائر ولندیزی تسلط سے آزاد ہو گئے اور مغربی نیوگینی کے سوا تمام جزیرے جمہوریۂ انڈونیشیا میں شامل ہو گئے۔ سنہ ۱۹۵۰ء میں جمہوری حکومت نے ولندیزیوں کا قائم کردہ وفاقی نظام بھی ختم کر دیا اور تمام جزائر پر مشتمل جمہوریۂ انڈونیشیا کی متحدہ مملکت قائم ہو گئی۔

تاریخ جمہوریت

مصنفہ شاہد حسین رزاقی

قبائلی معاشروں اور یونان قدیم سے لے عہد انقلاب اور دورِ حاضر تک جمہوریت کی مکمل تاریخ جس میں جمہوریت کی نوعیت وارتقار، مطلق العنانی اور جمہوریت کی طویل کش مکش، مختلف زمانوں کے جمہوری نظامات اور اسلامی و مغربی جمہوری افکار کو بڑی خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔ صفحات ۵۰۶۔ قیمت ۸ روپے۔

مآثر لاہور

مصنفہ سید ہاشمی فریدآبادی

یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ "ارباب سیف و سیاست" کے نام سے تاریخی حالات کے ساتھ قدیم لاہور کے والیوں کا تذکرہ سناتا ہے۔ دوسرا "صاحبانِ علم و قلم" کے نام سے موسوم ہے اور مشائخ، علماء، مصنفین، و شعراء لاہور سے اختصاص رکھتا ہے۔ پاکستان کے قدیم ثقافتی مرکز لاہور کے متعلق اس انداز کی کوئی کتاب اس سے قبل تصنیف نہیں ہوئی۔ قیمت ۶/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ۔ لاہور

نوجوان بادشاہ نے وزیر کی یہ باتیں سن کر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا،
"میرے باپ اللہ آپ کی کوششوں میں برکت دے۔ ایسا لشکر فوراً تیار کر لینا چاہیے۔"
ملک شاہ اور نظام الملک کا یہ مکالمہ نظام الملک کے اشاعتِ علوم کے اس رجحان کی صحیح ترجمانی کرتا ہے جس کی بدولت نظام الملک کا نام غیر فانی بن گیا اور تاریخ میں اس کی ایک انفرادی حیثیت قائم ہو گئی۔

نظام الملک نے سرکاری اور غیر سرکاری تمام ذرائع سے کام لے کر ہر اس مقام پر ایک مدرسہ اور ایک کتب خانہ تعمیر کرا دیا تھا جہاں کوئی ممتاز عالم ہوتا تھا۔ اس سرکاری سرپرستی کی وجہ سے نظام الملک کی رہنمائی میں مدرسوں کو قائم کرنا جلد ہی ایک فیشن بن گیا چنانچہ بقول ایک مورخ کے امراء اور رؤسا نے بھی وزیر اعظم کی تقلید کی اور جگہ جگہ مدرسے قائم ہونا شروع ہو گئے۔ نظامیہ مدارس کا اثر یہ ہوا کہ وہ علماء جو مسجدوں اور خانقاہوں اور حجروں میں درس دیا کرتے تھے وہ منظرِ عام پر آ گئے۔ اور ارباب علم ان مدرسوں کے لیے مشرق و مغرب کے گوشوں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکال لیے گئے۔

مدارس نظامیہ میں سب سے زیادہ شہرت بغداد کے مدرسۂ نظامیہ کو ہے جس کے بچے کھچے کھنڈر آج بھی بغداد میں نظر آتے ہیں۔ یہ مدرسہ دو لاکھ دینار (دس لاکھ روپے) کے صرف سے دو سال میں مکمل ہوا اور الپ ارسلاں کے عہد میں ۴۵۹ھ میں اس کا بڑی شان و شوکت کے ساتھ افتتاح ہوا۔ طلبا کے لیے تعلیم مفت تھی اور کھانے اور رہائش کے اخراجات حکومت کے ذمہ تھے۔

مدرسۂ نظامیہ بغداد کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ یہاں درس و تدریس کا کام اس دور کے ممتاز ترین علماء کے سپرد تھا۔ چنانچہ وہاں ابو اسحٰق شیرازی[1]، ابو نصر صباغ، امام غزالیؒ اور ابن خطیب شارح حماسہ جیسے مجتہد علماء اور ادیب اپنے اپنے زمانے میں تعلیم دیتے رہے۔ یہ ایک ایسا امتیاز ہے جو بہت کم مدرسوں کو نصیب ہوا ہو گا۔

نظام الملک نے مدرسوں کے ساتھ ہی شفاخانوں کا بھی ایک جال ملک میں پھیلا دیا تھا۔ وزیر اعظم

---

(۱) ابو اسحٰق شیرازی (۳۹۳ھ تا ۴۷۶ھ) ائمہ مجتہدین میں سے ہیں اور فقہ شافعی میں ان کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ وہ کئی اعلیٰ درجہ کی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں ایک "المہذب" ہے جو فقہ شافعی کی بنیادی کتابوں میں سے ہے۔ دوسری کتاب علماء کے حالات میں "طبقات الفقہاء" ہے۔ ابو اسحٰق شیرازی عمل کے لحاظ سے بھی انتہائی متقی اور دیندار تھے۔ مدرسہ نظامیہ (باقی اگلے صفحہ پر)

جب خراسان پر سلجوقیوں کا قبضہ ہوا اس وقت سے سلجوقیوں سے اس کا تعلق قائم ہو گیا تھا۔ بعد میں جب الپ ارسلان تخت نشین ہوا تو اس نے نظام الملک کو وزیر اعظم مقرر کر دیا۔ اس وقت اس کی عمر ۴۸ سال تھی۔ اس بلند عہدے پر وہ اپنی وفات تک فائز رہا۔

نظام الملک کا سب سے بڑا کارنامہ مدرسوں کا قیام ہے جو اس کے نام پر مدارس نظامیہ کہلاتے تھے۔ اسلامی دنیا میں اگرچہ چوتھی صدی ہجری کے اواخر سے مدرسے قائم ہونے شروع ہو گئے تھے اور ان کے لیے عالیشان عمارتیں بننے لگی تھیں لیکن نظام الملک نے مدرسوں کو جس کثرت اور تنظیم کے ساتھ قائم کیا تاریخ عالم میں عہد جدید سے قبل اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان مدرسوں کا سلسلہ الپ ارسلان کے عہد ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے مدرسوں کی تعداد اور تعلیمی اخراجات میں برابر اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ملک شاہ کے زمانے میں صرف سرکاری خزانے سے ہر سال چھ لاکھ دینار (تیس لاکھ روپے) مدارس کے اخراجات کے لیے دیے جاتے تھے۔ نظام الملک خود بہت بڑی جاگیر کا مالک تھا۔ اس نے اس جاگیر کی آمدنی کا دس فیصدی حصہ مدرسوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ مورخین نے صراحت کی ہے کہ نظام الملک کا یہ حصہ بھی شاہی خزانہ کی رقم کے برابر تھا یعنی چھ لاکھ دینار۔ زکوٰۃ و صدقات کی جو رقم ان مدرسوں پر خرچ ہوتی تھی وہ اس کے علاوہ تھی۔

تعلیم پر ان کثیر اخراجات کو دیکھ کر ایک مرتبہ نوعمر بادشاہ (ملک شاہ) نے جس نے بوڑھے وزیر کی زیر نگرانی تربیت پائی تھی اور اس احترام کی وجہ سے نظام الملک کو باپ کہہ کر پکارتا تھا شکایت کرتے ہوئے کہا:

"بابا آپ یہ جو بڑی بڑی رقمیں مدرسوں پر خرچ کر رہے ہیں ان سے ایک زبردست لشکر تیار کیا جا سکتا ہے۔ آخر ان لوگوں سے جن پر آپ یوں دولت کی بارش کر رہے ہیں کیا فائدہ حاصل ہوگا؟"

اس پر نظام الملک نے جواب دیا:

"میرے بیٹے میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں لیکن تم جیسے جوان ترک بچے کو فروخت کیا جائے تو شاید تیس دینار سے زیادہ قیمت نہ ملے۔ لیکن اس کے باوجود خدا نے تمہیں ایک عظیم الشان سلطنت دے رکھی ہے۔ کیا تم اس پر بھی اپنے پروردگار کا شکر ادا نہ کرو گے؟ تمہاری فوج کے تیر تو صرف چند قدموں تک جا سکتے ہیں لیکن میں جو لشکر تیار کر رہا ہوں اس کی دعاؤں کے تیر آسمان سے بھی آگے نکل جائیں گے۔"

ابواسحٰق شیرازی کی یہ رائے سخت اور انتہا پسندانہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن نظام الملک نے جب اسے پڑھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور اس نے کہا ابواسحٰق سے زیادہ کسی عالم نے سچ نہیں کہا۔"

ابواسحٰق شیرازی نے ممکن ہے ظالم کا مفہوم استبدادی نظام کا نمائندہ لیا ہو اور ایسی صورت میں ان کی رائے بلاشک درست تھی ورنہ امام الحرمین جیسے عالم نے نظام الملک کے پُرفخر کارناموں کا ایک خطبہ میں ذکر کیا ہے اور اس کی استقامت فی المذہب اور عدل وانصاف کی تعریف کی ہے۔ سیرت اور کردار کے لحاظ سے وہ عام وزیروں اور امراء سے قطعی مختلف تھا۔ زنا کا ارتکاب اس نے کبھی نہیں کیا۔ شراب کو ہاتھ نہیں لگایا اور ساری عمر سادہ زندگی گزاری۔ وہ جب اس دنیا سے اٹھا تو امراء اور وزراء کے لیے ایک قابلِ تقلید مثال قائم کر گیا۔ تین سو سال بعد مشہور مصنف سبکی نے اس عظیم ہستی کو اس طرح خراجِ تحسین پیش کیا :

"اس کا زمانہ تمام تر فضل وعدل کا دور تھا۔ اس کی عدل پروری سے مخلوق آرام کی نیند سوتی تھی۔ کسی کے لیے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ اس کے پاس ہر شخص آسانی سے پہنچ سکتا تھا۔"

نظام الملک کی انتظامی صلاحیت اور اس کے تدبر کے ثبوت میں مورخین نے متعدد واقعات لکھے ہیں۔ لیکن اس کی صلاحیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ الپ ارسلان، اور ملک شاہ کے تیس سالہ عہد میں کوئی اہم سیاسی واقعہ نہیں ملے گا جس میں نظام الملک شریک نہ ہوا ہو اور کوئی انتظامی اور سیاسی گتھی ایسی نظر نہیں آئے گی جسے نظام الملک نے نہ سلجھایا ہو۔ جنگ ملازکرد میں وہ الپ ارسلان کے ساتھ تھا۔ الپ ارسلان کو تختِ نشین کرانے میں اس نے

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) ان کی کتاب "الورقات فی اصول الفقہ" پر گیارہویں صدی ہجری تک شرحیں لکھی جاتی رہی ہیں۔ نہایت بے باک اور حق گو تھے۔

• ابوعلی فارمدی مشہور صوفی اور زاہد تھے۔ ان کے متعلق نظام الملک کہتا تھا کہ "وہ میرے عیوب اور مظالم گنا تے ہیں جس سے مجھ میں فروتنی پیدا ہوتی ہے اور میں اپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہوں۔"

ابوالقاسم عبدالکریم قشیری (۳۷۶ تا ۴۶۵ھ) اپنے دور کے جلیل القدر صوفی اور عالم دین۔ انہوں نے شریعت اور تصوف کو یکجا کیا اور تصوف کو اشعری فکر کے مطابق کرنے کی کوشش کی۔ ان کی سب سے مشہور کتاب رسالہ ہے جو تصوف میں ہے اور چار جلدوں میں قاہرہ سے چھپ چکا ہے۔

کی حیثیت سے اگرچہ اسے شاعروں سے قصیدے سننا پڑتے تھے لیکن اپنی تعریف اسے پسند نہیں تھی۔ اس کی توجہ شاعروں کی بجائے عالموں کی سرپرستی کی طرف زیادہ تھی۔ بادشاہوں کے استبدادی انداز اور اسلامی شعار کی طرف سے لاپروائی کی وجہ سے ممتاز علماء ہمیشہ بادشاہوں، وزیروں اور امراء کی صحبتوں سے اجتناب کرتے رہے ہیں۔ لیکن نظام الملک کی شخصیت نے ان کو اپنی طرف کھینچ لیا اور یہی علماء اور فقہاء اس کے مصاحب بن گئے۔ امام الحرمین[1] ابواسحٰق شیرازی، ابوعلی فارمدی اور امام ابوالقاسم قشیری جو اپنے زمانے کے ممتاز ترین عالم تھے نہ صرف یہ کہ نظام الملک سے ربط و ضبط رکھتے تھے بلکہ اس کے مشیر اور مداح تھے اور یہ ان ہی بزرگوں کے فیضِ صحبت کا نتیجہ تھا کہ نظام الملک میں زہد و عبادت، عدل پروری، رعایا کی خبرگیری اور اسی قسم کی دوسری صفات نے جلا پائی۔

نظام الملک نے ایک مرتبہ اپنی نیک نامی کا محضر تیار کیا اور تمام علماء سے اس پر رائے لی سب نے اس کی نیکی کی تصدیق کی لیکن ابواسحٰق شیرازی نے اس پر یہ پُرمعنی جملہ لکھ دیا:

"سب ظالموں میں نظام الملک اچھا ہے۔"

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) کے پہلے متولی یہی مقرر کیے گئے تھے لیکن انہوں نے محض اس وجہ سے یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ان کی اطلاع کے مطابق مدرسہ کی تعمیر میں ناجائز طریقے اختیار کیے گئے تھے۔ بعد میں جب یہ شکوک رفع کر دیے گئے تو تولیت قبول کر لی اور وفات تک اس عہدہ پر فائز رہے۔

ابونصر صباغ (۴۰۰ھ تا ۴۷۷ھ) اپنے دور کے جلیل القدر مجتہد عالم تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں "الشامل" کو فقہ شافعی میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ابواسحٰق شیرازی نے جب مدرسۂ نظامیہ کی تولیت سے شروع میں انکار کر دیا تھا تو یہ فرائض بیس دن تک ابن صباغ ہی نے انجام دیے۔

امام غزالی (۴۵۰ھ تا ۵۰۵ھ) تلاشِ حق کی مشہور جد و جہد شروع کرنے سے قبل جو "احیاء العلوم" کی تصنیف پر منتج ہوئی مدرسۂ نظامیہ کے شیخ تھے۔

ابن خطیب تبریزی (۴۲۱ھ تا ۵۰۲ھ) نحو اور ادب میں امام وقت تھے۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں حماسہ اور متنبی کی شرحیں مشہور ہیں۔ ابوالعلا معری کے شاگرد تھے

(۱) امام الحرمین (۴۱۹ھ تا ۴۷۸ھ) فقہ شافعی کے مجتہد عالم اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قرونِ وسطیٰ میں مسلمانوں کے سیاسی تصورات کو سمجھنے کا ایک بے مثل ماخذ ہے۔ یہ کتاب ملک شاہ کی خواہش پر لکھی گئی تھی۔ سلطان نے ایک مرتبہ امراء سے کہا تھا کہ وہ معاملات اور انتظامِ سلطنت پر غور کر کے اس کے نقائص معلوم کریں اور پھر ایک مکمل دستور العمل مرتب کر کے پیش کریں تاکہ سلطنت کا کوئی انتظام ناقص نہ رہے۔ ملک شاہ نے یہ ہدایت بھی کر دی تھی کہ اس سلسلہ میں کوئی بات مجھ سے پوشیدہ نہ رکھی جائے۔ گویا یہ کتاب تقریباً ان ہی حالات میں لکھی گئی جن میں تین سو سال قبل ہارون الرشید کے عہد میں قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج مرتب کی تھی۔

امراء نے شاہی حکم کی تعمیل میں ایک ایک دستور العمل لکھ کر پیش کیا لیکن ملک شاہ کو صرف نظام الملک کا مسودہ پسند آیا اور اس کو دیکھ کر اس نے کہا "آئندہ یہی میرا دستور العمل ہوگا"۔

سیاست نامہ میں عدل و انصاف پر بڑا زور دیا گیا ہے اور مصنف نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ سلطنت کفر سے تو باقی رہ جاتی ہے مگر ظلم و ستم سے باقی نہیں رہتی۔ اس سلسلہ میں تاکید کی ہے کہ بادشاہ کو کم از کم ہفتہ میں دو دن خود مقدمے فیصلے کرنے چاہئیں اور رعایا کی شکایات بلا واسطہ سننا چاہیئے۔ عمال اچھے مقرر کیے جائیں اور محاصل کی رقم نرمی سے وصول کی جائے۔ ضرورت پر کسانوں کو تقاوی دی جائے۔ نیز ان کو دربار میں بلا روک ٹوک آنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔

قاضیوں کے تقرر کے سلسلہ میں نظام الملک نے ہدایت کی ہے کہ ان کی تنخواہیں معقول اندازے سے مقرر کی جائیں تاکہ ان کو رشوت کی حاجت نہ ہو۔ نظام الملک نے عامل، قاضی اور رعایا کے حالات کی نگرانی پر بھی زور دیا ہے اس نے اس کی شکایت کی ہے کہ پچھلے بادشاہوں کی طرح سلجوقی دور میں وقائع نگاری کا محکمہ نہیں ہے جس کی وجہ سے سلطنت کے حالات اچھی طرح معلوم نہیں ہو سکتے۔

نظام الملک نے اس پر بھی زور دیا ہے کہ بادشاہ کو مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرنا چاہیئے اور لکھا ہے کہ جو لوگ مشورہ نہیں کرتے وہ ضعیف الرائے ہوتے ہیں۔ فوج کے متعلق لکھا ہے کہ وہ کثیر تعداد میں ہونی چاہیئے اور مختلف قوموں پر مشتمل ہونی چاہیئے تاکہ بغاوت کا خطرہ نہ رہے۔ سیاسی مصلحت کے تحت علماء کی سرپرستی پر بھی زور دیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو وہ خلاف ہو جائیں گے۔

مدد کی تھی۔ ملک شاہ نے اسے سیاہ و سفید کا اختیار دیدیا تھا۔ خلیفہ اور بادشاہ کے اختلافات دور کرنے میں اس کی سمجھ گرہ کشائی کرتی تھی۔ انطاکیہ کی فتح کے وقت وہ سلجوقی فوج کے ساتھ موجود تھا اور جب ملک شاہ نے ترکستان فتح کیا تو وہ کاشغر تک اس کے ہم رکاب گیا۔

علاوہ ازیں اس کی کتابیں دستور الوزراء (۱) اور سیاست نامہ نظام الملک کی دانش، عقل اور تدبر کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں جن کو پڑھ کر ہم آج بھی اس جلیل القدر مدبر کے خیالات اور نظریات سے اچھی طرح واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔

دستور الوزراء جس کا اصل نام کتاب الوصایا ہے۔ آخر زمانہ وزارت کی تصنیف ہے۔ یہ نظام الملک نے اپنے لڑکے فخر الملک کو مخاطب کر کے لکھی ہے۔ اور خواہش ظاہر کی ہے کہ وہ اس کے بعد وزارت قبول نہ کرے۔ اس میں وزارت کی مشکلات کا تذکرہ اس انداز سے کیا گیا ہے کہ اس کے پڑھنے سے انسان پر یہ اثر پڑتا ہے کہ وزارت سے علاحدگی ہی بہتر ہے۔ لیکن اس ایک بات سے قطع نظر کتاب الوصایا ایک وزیر کے فرائض اور معاملات سلطنت سے متعلق مفید معلومات سے پُر ہے۔

نظام الملک کی دوسری کتاب سیاست نامہ وفات سے ایک سال قبل کی تصنیف ہے اور

---

(۱) اس کتاب کا دوسرا نام "وصایائے نظام الملک" بھی ہے۔ یہ کتاب تقریباً چار سو سال بعد نویں صدی ہجری میں نظام الملک کے خاندان کے ایک فرد نے نظام الملک کی تحریری یادداشتوں کی مدد سے جو خاندان میں وراثتاً چلی آتی تھیں مرتب کی ہے۔ اس میں کچھ چیزیں خود مرتب کی تصریح کے مطابق دوسری کتابوں اور زبانی روایتوں سے بھی ماخوذ ہیں۔ اس کتاب کے دیباچہ میں چونکہ نظام الملک، عمر خیام اور حسن بن صباح کی ہم درسی کی داستان بیان کی گئی ہے جو اب غلط ثابت ہو چکی ہے اس لیے مستشرقین اس کتاب کو نظام الملک کی تصنیف تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن سید سلیمان ندوی نے اپنی محققانہ کتاب "خیام" میں بدلائل یہ ثابت کیا ہے کہ یہ کتاب نظام الملک ہی کی ہے اور صرف دیباچہ الحاقی ہے۔ دیباچہ کی طرز تحریر اور زبان باقی کتاب سے مختلف ہے لیکن بقول سید سلیمان ندوی باقی کتاب کی "زبان، طرزِ ادا، بے تکلفانہ چھوٹے فقرے، سادگی بیان، ہر چیز اس کو سیاست نامہ کے ہم پایہ اور ہمسایہ قرار دیتی ہے اور اس سے زیادہ یہ کہ اس میں سلجوقی سلاطین کے جو واقعات اور اسرار بیان کیے گئے ہیں، ان کو کوئی دوسرا بنا کر نہ گھڑ سکتا ہے اور نہ جان سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ تاریخی واقعات بھی بڑی صحت اور خوبی کے ساتھ اس میں لکھے گئے ہیں۔"

اور عملی مشکلات اور الجھنوں کا اندازہ ایسا ہی شخص کر سکتا ہے جو خود حکومت کے بلند عہدے پر فائز ہو۔ سیاست نامہ اور دستورالوزراء اس لحاظ سے بڑی نایاب کتابیں ہیں خصوصاً دستورالوزراء میں جگہ جگہ ایسے جملے استعمال کیے گئے ہیں جو بڑا گہرا طنز ہیں۔ مثلاً بیگماتِ حرم کے اقتدار کا ذکر کرتے ہوئے نظام الملک نے لکھا ہے:

• "ان کی حمایت کی چاردیواری ایک چلتا ہوا تعویذ اور ان کی محافظت کا ایک گوشہ مستحکم قلعہ کے برابر ہے۔"

شہزادوں کے ساتھ معاملہ کرنا وزیروں کے لیے کس قدر مشکل ہوتا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"بادشاہوں کے بچے بہت جلد بڑے ہو جاتے ہیں۔ اور خدا نہ کرے کہ وہ کسی سے ناراض ہو جائیں۔"

ذاتی طور پر نظام الملک کی زندگی زہد و تقویٰ کا نمونہ تھی۔ وہ ذاتی اور سرکاری دونوں کاموں میں اسلامی احکام کا پورا پورا خیال رکھتا تھا۔ کتاب الوزراء میں اس نے لکھا ہے کہ:

"اگر وزیر سے ایک فیصلہ بھی انصاف کے خلاف ہو جائے تو سو برس کی حکومت سے بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔"

اس کے سارے کاموں میں توازن اور اعتدال پایا جاتا تھا۔ طبعاً وہ فیاض تھا لیکن یہ فیاضی اعتدال کے ساتھ تھی۔ وہ برامکہ کی طرح خزانہ نہیں لٹاتا تھا کہ پورے صوبے کا خراج ایک شاعر کو دے دے۔ وہ افراط و تفریط سے پاک تھا۔ اس کے صلہ کی مقدار ہمیشہ محدود ہوتی تھی۔ اس نے دولت لٹانے کی بجائے دولت کی تقسیم کا ایک ضابطہ بنا لیا تھا۔ اور وہ تھا مدرسوں اور شفاخانوں کا قیام اور اہل علم و فن کے لیے وظائف کا مستقل انتظام ویسے وہ روزانہ صبح سو دینار غرباء میں تقسیم بھی کیا کرتا تھا۔

نظام الملک کے آخری دور میں اس کے اختیارات دوسرے امراء کے لیے حسد کا باعث بن گئے اور انہوں نے یہ مشہور کر دیا کہ نظام الملک نے سلطنت کو اپنے بارہ بیٹوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ جو ائمۂ عشریہ کی طرح تمام سلطنت پر حکمراں ہیں۔ ملک شاہ ہزار اچھا حکمراں

عورتوں سے متعلق بادشاہ کو مشورہ دیا ہے کہ سیاسی امور میں ان کو مداخلت نہ کرنے دی جائے۔

رفاہِ عام کے کاموں کا ذکر کرتے ہوئے نہریں جاری کرنے، تالاب کھدوانے، پُل باندھنے، شہر اور گاؤں آباد کرنے اور راستوں پر مسافر خانے تعمیر کرنے کی اہمیت پر زور دیا ہے۔

بادشاہ کو ہدایت کی ہے کہ حکام کو مظالم سے روکے رہے اور سزا دیتے وقت یہ خیال رہے کہ سزا جرم کے مطابق ہو۔" اس طرح نظام الملک نے اس بات کی روک تھام کرنی چاہی تھی جو بادشاہوں کا عام دستور تھا کہ ذرا سے جرم پر ملزم کی جان لے لیتے تھے۔

عادل اور منتظم حکمرانوں کے سلسلے میں نظام الملک نے اردشیر، نوشیرواں، فاروق اعظمؓ، عمر بن عبدالعزیزؒ، ہارون الرشید، مامون الرشید، اسمٰعیل سامانی اور محمود غزنوی کو قابلِ تقلید نمونہ بتایا ہے اور ان کے سبق آموز واقعات پیش کیے ہیں۔

سیاست نامہ کا ہر مضمون قرآن، حدیث، اور فقہ سے استدلال کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور جگہ جگہ تاریخی واقعات پیش کر کے وضاحت کی گئی ہے۔ سیاست نامہ اور دستور الوزرا اس بات کا بہت اچھا نمونہ ہیں کہ انسان تاریخ سے کس طرح سبق حاصل کر سکتا ہے۔

اگرچہ حالات بدل جانے کی وجہ سے سیاست نامہ کی بہت سی باتیں غیر ضروری ہو گئی ہیں۔ لیکن جہاں تک نظم و نسق کا تعلق ہے اس کتاب کا مطالعہ آج بھی حکام کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کی اسی اہمیت کی وجہ سے یہ کتاب برطانوی عہد میں آئی۔ سی۔ ایس کے نصاب میں شامل تھی۔ سیاست نامہ اور دستور الوزرا صرف تصورات کا مجموعہ نہیں ہیں بلکہ تجربوں کا مجموعہ بھی ہیں۔ ان میں پیش کردہ بیشتر امور وہی ہیں جن پر سلجوقی دور میں نظام الملک کے عہدِ وزارت میں عمل ہو تا رہا تھا۔

ان کتابوں میں کسی نئے سیاسی تصور کو پیش نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن ان کو پڑھنے سے مروجہ سیاسی نظام کے خلاف ایک دبی دبی سی آواز سنائی دیتی ہے۔ اگرچہ شخصی نظام حکومت کے خلاف نظام الملک کے مقابلہ میں علماے اسلام نے زیادہ جرأت اور بیباکی کا اظہار کیا ہے لیکن یہ اختلاف محض نظریات کی حد تک تھا۔ شخصی حکومت کی انتظامی

کہرام مچ گیا اور جب شور ملک شاہ تک پہنچا تو وہ بھی غمزدہ روتا ہوا آیا اور سرہانے بیٹھ گیا۔ قاتل ابوطاہر حارث کو اگرچہ نظام الملک نے قتل کرنے سے منع کر دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس کے غلاموں نے اسے قتل کر دیا۔

نظام الملک کی زندگی کا خاتمہ تاریخ کے ایک خوش قسمت وزیر کی زندگی کا خاتمہ تھا شعبان ۴۸۵ھ کی کسی تاریخ کو وہ معزول ہوا اور اگلے ماہ ۱۰ رمضان کو اس نے شہادت پائی۔

اس واقعہ کے ۳۵ دن بعد ملک شاہ کا بھی انتقال ہو گیا اور اس طرح نظام الملک کی یہ پیش گوئی صحیح ہو گئی کہ جب میرا قلم دان وزارت الٹے گا تو تاج بھی باقی نہ رہے گا۔"

حکمائے قدیم کا فلسفۂ اخلاق

مصنفہ بشیر احمد ڈار

عہد قدیم میں چین، ایران، مصر اور یونان کی تہذیبوں نے حیرت انگیز ترقی کر لی تھی اور یہاں کے مفکروں نے جو افکار و نظریات پیش کیے انہی کی بنیاد پر جدید افکار کی عظیم الشان عمارت تعمیر ہوئی ہے اور اس کتاب میں کون فیوشس، گوتم بدھ، زرتشت، مانی، سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے عظیم مفکروں کے اخلاقی نظریات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ قیمت چھ روپے

اسلام اور مذاہب عالم

مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی

مذاہب عالم اور اسلام کا ایک تقابلی مطالعہ۔ یہ کتاب یہ وضاحت کرتی ہے کہ اسلام انسان کے مذہبی ارتقا کی فیصلہ کن منزل ہے۔ اس نے تمام مذاہب کے حقائق کو یکجا کر کے اپنی وحدت میں سمو لیا۔ قیمت ۴۔۵۰ روپے

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

سہی بہر حال وہ ایک خود مختار بادشاہ تھا۔ وہ ان افواہوں کو جو اس کے اقتدار کی کمزوری کا باعث ہو سکتی تھیں زیادہ عرصہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ ان شکایتوں سے متاثر ہو کر ایک دن ملک شاہ نے اپنے بوڑھے وزیر سے کہہ دیا کہ:

"سلطنت تقسیم کر کے میرے شریک بن گئے ہو میرے مشورے کے بغیر جو چاہتے ہو کرتے ہو۔ اگر اس سے باز نہ آئے تو دستارِ وزارت اتر جائے گی۔"

نظام الملک نے اپنی خود داری قائم رکھتے ہوئے جواب دیا کہ:

"آپ کا تاج میری دستار سے وابستہ ہے۔"

جواب اگرچہ سخت تھا لیکن کچھ وقت کے لیے معاملہ ٹل گیا۔ لیکن جلد ہی اس سے بھی سخت معاملہ پیش آیا۔ بادشاہ کے تیور بدلتے ہوئے دیکھ کر اس نے شاہی سفیروں سے جو جواب طلب کرنے کے لیے اس کے پاس آئے ہوئے تھے اپنے احسانات کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ بھی کہہ دیا کہ:

"اب جب کہ امور مملکت اس کے قبضۂ اقتدار میں آ گئے ہیں اور اس کا کوئی مخالف باقی نہیں رہا تو اس وقت میرے گناہ گنواتا ہے اور دوسروں سے میری چغلی سنتا ہے۔ اس سے جا کر کہہ دو کہ اس کا تاجِ سلطنت میرے قلم دانِ وزارت سے وابستہ ہے۔ جب یہ الٹے گا تو تاج بھی باقی نہیں رہے گا۔"

بادشاہِ وقت کو ایسا جواب صرف نظام الملک جیسا وزیر ہی دے سکتا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسی سخت گفتگو کے بعد نظام الملک کا برسرِ اقتدار رہنا ناممکن تھا۔ چنانچہ ملک شاہ نے جلد ہی اسے معزول کر دیا۔ لیکن معزولی کے باوجود نظام الملک کی عزت اور احترام میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔ جب ہم نظام الملک کی معزولی کے واقعات کا جعفر برمکی کے قتل کے واقعات سے مقابلہ کرتے ہیں تو دونوں کے درمیان بڑا فرق نظر آتا ہے۔ اور اس مقابلہ کے بعد ہی ہمیں ملک شاہ اور نظام الملک کی عظمت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔

معزولی کے ساتھ نظام الملک کا پیمانۂ عمر بھی لبریز ہو گیا۔ قضا و قدر کو اس سے جو کام لینا تھا وہ لیا جا چکا تھا۔ معزولی کے چند دن بعد جب کہ ملک شاہ اور نظام الملک اصفہان جا رہے تھے تو نہاوند کے قریب نظام الملک ایک فدائی کے خنجر کا شکار ہو گیا۔ حملہ کے ہوتے ہی تمام لشکر میں